ڈاکٹر نازیہ یونس
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

مستنصر حسین تارڑ کے ناول "شہر خالی کوچہ خالی" کا سماجی و نفسیاتی تجزیہ

Dr. Nazia Younis
Assistant Professor, National University of Modern Languages, NUML Islamabad.

Psycho-Social analysis of Mustansar Hussain Tarrar's naval SHAHAR KHALI KOCHA KHALI

Urdu literature has a rich and prestigious tradition of Noval writing. Mustansar Hussain Tarrar is one of the post popular and well known noval writer of the present age. This piese of noval is about the spread of COVID-19, in the whole world. This piece of writing deals with the perception of the public during this pendamic. COVID-19 effects the whole humanity with respect to economical, social and emotional aspects. So, it is, therefor, important to discuss the effects of this problem on human being, wih respect to socio-Psychological grounds.

Keywords: *COVID-19, Pendamic, Mustansar Hussain Tarrar, Corona Virus, Research Articles, , Literature.*

مستنصر حسین تارڑ اردو ادب کے ان چند ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں جنہیں ان کی زندگی میں ہی شہرت عزت دولت سب کچھ ملا۔ مستنصر حسین تارڑ جو کہ اردو ادب کے اس دور کے ساتھ وابستہ ہیں ، جہاں ادب کا تعلق زندگی کے ساتھ براہ راست جوڑا جارہا ہے۔ اس لیے ہمیں ان کے تحریروں کے اندر زندگی کے تمام رنگ نظر آتے ہیں۔ اگر ہم ان کی زندگی کے بارے میں بات کریں تو مستنصر حسین تارڑ لاہور میں پیدا ہوائے۔ ابتدائی تعلیم لاہور میں حاصل کی اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے برطانیہ چلے گئے اور وہاں انہوں ٹیکسٹائل میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ وہاں انہوں نے ٹیکنیکل کالج نوٹنگھم سے تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں انہوں نے ایجوکیشن میں جنرل سرٹیفکیٹ بھی حاصل کیا۔ لیکن ان کا زیادہ رجحان سیاحت اور فنون لطیفہ کی طرف تھا۔ ڈاکٹر غفور شاہ قاسم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"انہوں نے وہاں تھیٹر، فلم اور موسیقی کو اپنی تمام تر دلچسپیوں کا مرکز بنالیا۔ اسعرصے میں تارڑ نے وکٹر سکول آف ڈانسنگ انگلینڈ سے والز، رمبا اور مشکل ترین رقص ٹینگو میں مہارت کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔"(۱)

اس کے بعد وطن واپس آئے تو انہوں نے اپنی ادبی زندگی کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اس کے لئے انہوں نے سب سے پہلے ٹی وی کا رخ کیا اور بطور اداکار ۴۰۰ ڈراموں میں کام کیا۔ ان کا بطور اداکارہ ڈرامہ "پرانی باتیں" تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اداکاری کے شعبے کو خیر باد کہا اور ٹی وی کمپیئرنگ کے ساتھ ڈرامہ نگاری شروع کر دی۔ پھر پاکستان میں صبح کی نشریات کو نئے رنگ سے پیش کیا۔ جس میں بچوں کے "چاچا جی" کے طور پر متعارف ہوئے۔ ٹی وی کمپیرنگ اور اخبارات کیلئے کالم نگاری کے علاوہ ان کے سفر نامے اور ناول بھی بہت زیادہ مشہور ہیں۔ آج کل تارڑ" اخبار جہاں "کے لیے"کاروان سرائے " کے نام سے لکھ رہے ہیں۔ سفر ناموں کے حوالے سے تارڑ ایک مقام رکھتے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے یورپی ممالک وسطی ایشیائی ممالک اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات پر بے شمار سفر نامے لکھے۔

اسی طرح اگر ہم ان کے ڈراموں کے بارے میں بات کریں تو ان میں شہر ،ہزاروں راستے ،پرندے سورج کے ساتھ ساتھ ،ایک حقیقت ایک افسانہ ،کیلاش ،فریب ،مورت ،صاحب سرکار ،ہزاروں راستے ، قبل ذکر ہیں۔ گو کہ انہوں نے ادب کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی وجہ شہرت ان کے ناول بنے ،بے شک انہوں نے اپنی تخلیقی زندگی کے آغاز سفر نامے سے کیا اور سفر نامہ میں شہرت حاصل کرنے کے بعد وہ باقی اصناف ادب کو لکھتے ہوئے ناول نگاری تک پہنچے، لیکن انہوں نے ایک اچھے ناول نگار کی حیثیت سے اردو ادب میں اپنے آپ کو منوالیا۔ ان کا اولین "ناول پیار کا پہلا شہر " ہے۔ جو کہ بیسٹ سیلر ناول ثابت ہوا، اور اب تک اس ناول ۵۰ سے زائد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ جہاں تک ان کے ناول نگاری کا تعلق ہے تو اس میں ہمیں مقدار اور موضوع کی وسعت کے ساتھ اتنا کام ملتا ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تارڑ کے ہاں ناولوں میں موضوعات کے حوالے سے کافی تنوع پایا جاتا ہے۔ اردو کے اکثر ناول نگاروں کے ہاں موضوعات کے حوالے سے دامن تنگ نظر آتا ہے، لیکن تارڑ کے ہاں موضوعات کی رنگارنگی ہے اور اس کی وجہ سے ان کی ادبی زندگی بھی ناول سے ہی عبارت ہے۔ ان کی بسیار نویسی کے بارے مبین مرزا اس طرح رقمطراز ہیں:

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

'جہاں تک ان کی ناول نگاری کی بات ہے تو اس شعبے میں بھی ہمیں ان کے یہاں مقدار اور موضوع کی وسعت کے ساتھ اتنا کام ملتا ہے کہ اُسے کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ موضوعات کی رنگارنگی کی داد انھیں سب سے پہلے دی جانی چاہیے۔ اس لیے کہ اردو کے اکثر ناول نگاروں کے یہاں ہمیں موضوعات کا دائرہ اس قدر وسیع نظر نہیں آتا، جتنا مستنصر حسین تارڑ کے یہاں ملتا ہے۔"(۲)

عام طور پر تارڑ کے ناولوں میں زندگی کے تمام رنگ نظر آتے ہیں لیکن وہ فرد کی اور اس کے سماج کی نفسیاتی الجھنوں کو سامنے لاتے ہوئے بڑے خوبصورت انداز میں کہانی بیان کرتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے ناول نگاری میں اپنا اسلوب متعارف کروایا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اردو ادب کی اس مشکل صنف میں بہت جلد مقام بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس بارے ڈاکٹر غفور قاسم اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مستنصر حسین تارڑ بطور ناول نگار، نہایت کامیاب ناول نگار ہیں۔ ان کا سحر آفریں اسلوب انہیں مقبول ناول نگاروں میں جگہ دینے میں بہت معاون ثابت ہوا ہے،" (۳)

مستنصر حسین تارڑ کے ناولوں میں پرندے، پیار کا پہلا شہر، جپسی، دیس ہوئے پردیس، بہاؤ، راکھ، قربتِ مرگ میں محبت، قلعہ جنگی، ڈاکیا اور جولاہا، خس و خاشاک زمانے۔ اے غزال شب، بہت ہی مشہور اور نہایت معروف ناول ہیں۔ جبکہ ان میں ان کا حال ہی میں شائع ہونے والا ناول "شہر خالی کوچہ خالی ہے۔ جو کی اردو ادب کا اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں لکھا جانے والا سب سے مشہور ناول ہے۔ شہر خالی کوچہ خالی بنیادی طور پر ایسا ناول ہے جو اکیسویں صدی میں پھٹنے والی وبا پر لکھا گیا۔

۳۱ دسمبر ۲۰۱۹ء کو چین کے شہر وہان میں جس وباء نے بہت جلد پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لیا دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا اس سے متاثر ہوئی۔ اس وبا کی وجہ سے جہاں زندگی باقی تمام شعبہ ہائے جات متاثر ہوئے، وہاں ادب بھی اس وبا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ ادب اپنے سماج اور معاشرے سے ماخوذ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اس طرح کے حالات و واقعات سے غافل نہیں رہ سکتا اور ایک ادیب اپنی تحریروں کے ذریعے سماجی تبدیلی مناظر کی عکس بندی کرتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے بھی اپنے ناول کے ذریعے کرونا کے بعد معاشرے میں پیدا ہونے والی سماجی و نفسیاتی صورتحال کو ایک تخلیقی انداز میں پیش کیا ہے۔ جس میں ہمیں فرد اور معاشرے کی نفسیات کو جزئیات میں سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ بیماری چونکہ انسان سے انسان کے درمیان پھیلنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اسی لیے اس وبا

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

نے پوری دنیا کے نظام زندگی کے مختلف شعبہ جات کو بہت زیادہ متاثر کیا یہاں تک کہ انسانی اخلاقی اقدار بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکیں اور بہت سے دردناک مناظر دیکھنے اور سننے کو ملے۔

بنیادی طور پر اپنے اس ناول شہر خالی کوچہ خالی میں اس درد میں اس کے ذریعے ہوئی اور کمزور ہوتی انسانی اقدار اور ان کا المیہ پیش کرتے ہیں۔ اس ناول کے ذریعے وہ ہمیں یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس طرح کی عالمی وبا کا معاشرے کی مجموعی نفسیات پر کیا اثر پڑتا ہے۔

اگر ہم سماجی نفسیات کے بارے بات کریں تو اس کو معاشرے کے تمام افراد مل کر ترتیب دیتے ہیں۔ پھر اسے رائج سماجی پیٹرن میں داخل کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس سماج کا وہ فرد بھی متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا، جو ان حالات سے یا ان مسائل سے براہ راست متاثر نہیں ہوا ہوتا ۔ سماجی نفسیات کے بارے جارج ایچ میڈ لکھتے ہیں:

> ."Social psychology is especially interested in the effect which the social group has in the determination of the experience and conduct of the individual member."(4)

ناول کا نام "شہر خالی، کوچہ خالی "ہے اور یہ افغان شاعر اور موسیقار "امیر جان صبوری" کے کلام "شہر خالی، جادہ خالی، کوچہ خالی، خانہ خالی "سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ کلام فارسی زبان میں ہے۔

اس کلام کو تاجک گلوکارہ" نگارہ خالاوہ "نے گایا ہے۔ یہ کلام پاکستان میں بھی بہت سنا گیا کیونکہ وبا کے ساتھ اس کی خاص مناسبت تھی۔ مستنصر حسین تارڑ نے ناول کا انتساب ان لوگوں کے نام کیا ہے جنہوں نے کسی بھی حوالے سے عالمی وبا کے خلاف اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حصہ لیا اور سینہ سپر ہو گئے۔ مستنصر انتساب کچھ یوں لکھتے ہیں:

> "وہ جو نامساعد حالات میں کرونا کی وبا کے سامنے صف آرا ہو گئے اپنے ہم وطنوں کی زندگیاں بچانے کی خاطر اور خود موت کے منہ میں چلے گئے اور جنہیں کوئی نشان حیدر نہ ملا ان کے نام۔"(۵)

اس کے بعد مستنصر نے امیر جان صبوری کی مذکورہ نظم کو اردو ترجمے کے ساتھ ساتھ شامل کیا ہے، اور ساتھ ہی "انٹون چیخوف" ۱۸۹۰ء کی ایک آزاد نظم کا اردو ترجمہ "وبا کی تنہائی "کے نام سے دیا ہے۔ یہ نظم سے متعلق ہے اور اس کا خاص اور اہم نکتہ لفظ "قرنطینہ " ہے جو موجودہ عالمی وبا کے دوران بھی کلیدی کردار کا حامل ہے۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

یہ ناول بڑی حد تک مصنف کے اپنے تجربات و مشاہدات اور خیالات و احساسات پر مشتمل ہے۔ جبکہ کچھ حصہ تصوراتی اور خیالی ہے۔ کرونا کے شب و روز کی کہانی ہے۔ اس میں مختلف پرندوں کا ذکر ہے جن میں فاختہ اور چیل نمایاں ہیں۔ فاختہ کو چونکہ امن کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اسے زندگی کے استعارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جبکہ چیل کو منحوس اور خوفناکی کی علامت متصور کیا جاتا ہے اس لیے اس کا ذکر موت اور خوف کے استعارے پر کیا گیا ہے۔ ناول کا ابتدائی حصہ مصنف کے تصوراتی خیالات پر مبنی ہے جس میں وہ فاختہ کا ذکر کرتے ہیں ۔جو لمبی اڑان پر ہے اور خشکی کی تلاش میں ہے۔ کیونکہ وبا کے پانیوں نے پوری زمین کو گھیر رکھا ہے۔ فاختہ کیونکہ زندگی کا استعارہ ہے مطلب زندگی خود عافیت کی تلاش میں ہے۔ اس کے ساتھ وبا کی آمد اور اس کے مثبت و منفی اثرات کا ذکر ہے.

مصنف چونکہ بڑھاپے کی عمر میں ہے اور انہیں وبا سے متاثر ہونے کا زیادہ خدشہ ہے۔ اسی خدشے کے پیش نظر مصنف کے بچے ان کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتے ،انہیں صرف صبح کی سیر کی اجازت ہے۔ لیکن وہ بھی کچھ پابندیوں کے ساتھ۔ چنانچہ مصنف قید تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں اور تنگ آکر ایک دن داتا دربار چلے جاتے ہیں اور ساتھ ہی کبوتروں کے دانے والی پوٹلی بھی لے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلتا ہے کہ بہت سارے کبوتر دانہ نہ ملنے کے باعث مر چکے ہیں۔ چونکہ دربار پر لوگوں کی آمدورفت محدود ہوگئی ہے۔ اور لنگر کی تقسیم بھی بند ہو چکی ہے.

مصنف کو قرنطینہ کیے ہوئے جب آٹھ روز ہو جاتے ہیں تو ایک دن مصنف اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر منڈیر کی طرف جھانکتا ہے تو اسے ایک مکروہ شکل والی چیل نظر آتی ہے۔(مصنف نے ناول میں چیل کو خوف اور موت کے استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔) اسی دن مصنف بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لیکن گھر والوں سے یہ بات پوشیدہ رکھتا ہے۔ اگلے دن جب مصنف کے بیٹے کو اس کی خبر ہوتی ہے تو وہ فوراً باپ کو ہسپتال لے کر جاتا ہے۔ جہاں وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں متعدد دن مبتلا رہتا ہے۔

ناول کے آخر میں مصنف پھر تصور اور خیال میں فاختہ کو خشکی کی تلاش میں اڑتے ہوئے پاتا ہے۔ اس بار فاختہ خشکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی ہے یعنی مصنف کو وبا کے سمٹنے کی امید نظر آتی ہے۔ مصنف اس کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

> "فاختہ منڈیر پر ایسے براجمان ہوگئی جیسے یہ اس کا وہ گھونسلہ ہو جس میں وہ ازل سے رہتی تھی ۔وہ نسل انسانی کی بقا کی نوید لے کر آئی تھی ۔اس کے تسلسل کی خوشخبری لے کر آئی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

تھی۔ وہ اس کے منقطع ہونے کی تردید لے کر آئی تھی تصدیق کرنے آئی تھی کہ وبا کے یہ پانی سمٹ جائیں گے۔ تندور جن میں سے وہ ابلے تھے ان میں واپس دفن ہو جائیں گے۔"(۶)

مصنف کی اسی امید کی کیفیت کے ساتھ ناول کا اختتام ہو جاتا ہے۔ جب کہ اگر ہم اس ناول کا سماجی و نفسیاتی جائزہ لیں تو، ناول کے آغاز میں ہی مصنف کرونا کی معاشرتی تباہ کاریوں پر نوحہ کناں ہے۔ چونکہ انسان بنیادی طور پر معاشرت پسند ہے۔ اور یہ اس کی مجبوری بھی ہے۔ انسان فطری طور پر میل جول اور محبت و مودت کا پرور دہ ہے۔ رشتوں کی محبت اس کے خمیر میں شامل ہے لیکن جب انسان کو اس معاشرتی میل جول سے محروم کر دیا جائے تو اس کی شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس وبا کے دوران ہونے والی معاشرتی اونچ نیچ کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں۔

"یہ محبت کرنے کے دن نہ تھے۔۔۔ محبت موخر کرنے کے دن تھے۔ یہ تنہائیوں کے دن تھے۔۔۔ ایسی تنہائیاں جن کی کوئی حد نہ تھی۔۔۔ کون تھا جو پیش گوئی کر سکے کہ ان کا اختتام سو برس میں ہو جائے گا، شائد وقت کا اختتام ہو جائے پر یہ ان کی حدود سے بھی پار چلی جاتیں ماوراہو جائیں زمانوں اور قرنوں سے ادر چھید کر دیں۔ اس کائنات کی ان دیکھی چادر میں اور کسی اور کائنات کی مسافتیں اختیار کر لیں۔۔۔ یہ ایسی تنہائیوں کے دن تھے۔۔۔"(۷)

کرونا وبا نے انسانی سرگرمیوں کو بہت محدود کر دیا۔ چنانچہ اسے تنہائی اور سماجی بندشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی تنہائی، سماجی دوری اور وبا کے اثرات سے محفوظ رہنے کی خاطر مصنف کے بچوں نے گھر میں کام والی کا داخلہ بھی بند کر دیا جو کہ گھر کی صفائی ستھرائی پر مامور تھی۔ حالانکہ بنیادی طور پر انسان صفائی پسند ہے اور اس کی فطرت جمال کی مظہر ہے۔

"میں نے اپنی تسلی کی خاطر ایک شیلف میں سے کچھ کتابیں کھسکائیں، ان کے پیچھے دھول تو بہت تھی کہ جھاڑ پونچھ کرنے والی لڑکی بھی تو ایک مدت سے ادھر نہ آئی تھی، وہ تو آنے کو تیار تھی لیکن میرے بچوں نے اس کا داخلہ جب تک وبا کا اختتام نہیں ہو جاتا، ممنوع قرار دیا تھا۔ اگرچہ تنخواہ کی باقاعدہ ادائیگی کے ساتھ۔۔۔"(۸)

سماجی دوری اور تنہائی انسان پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ مصنف اس کا اظہار کچھ یوں کر رہے ہیں

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"میں حتمی طور پر کیسے بتا سکتا ہوں کہ لاک ڈاون کو کتنے روز بیت گئے تھے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ابھی تین دن نہیں ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔"(۹)

جب مصنف پر اس کے بچے اس خدشے کے پیش نظر قید تنہائی لاگو کر دیتے ہیں کہ مصنف چونکہ بڑھاپے کی عمر میں ہے اور حکومت کی طرف سے بار بار اس امر کا اظہار کیا جارہا ہے کہ بوڑھے بزرگ خصوصی طور پر اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ سماجی دوری کا خیال رکھیں اور گھر پر رہیں تو مصنف اس صورتحال سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مصنف اپنے پوتے پوتیوں سے بھی مصافحہ یا معانقہ نہیں کر سکتا۔ سماجی دوری کی اس کیفیت کو مصنف کچھ یوں بیان کرتا ہے۔

"بچے یعنی میرے پوتے پوتیاں دن میں صرف دو بار میرے کمرے میں داخل ہوتے ہیں، ایک بار صبح بخیر کہنے کے لئے اور پھر شب بخیر کا فرض ادا کرنے کی خاطر۔۔۔ پہلے کی طرح میں ان سے لپٹ کر ان کے رخساروں پر بوسے ثبت نہیں کر سکتا۔۔۔ وہ سماجی فاصلے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مجھ سے کچھ دور کھڑے ہو جاتے ہیں، اپنی دونوں کہنیوں کا رخ میری جانب کر کے گویا سلام کرتے ہیں اور پھر اس ورزش کے بعد وہ اپنے بازو سمیٹ کر اپنے گلے سے لگاتے ہوئے منہ سے پچ پچ کرتے ہیں اور دادا کو ایک کرونا بوسہ دور سے پچکار کر چلے جاتے ہیں۔"(۱۰)

یہ محض ان رشتوں کی سماجی دوری نہ تھی بلکہ یہ انسانی مزاج اور نفسیات کی وہ شکست و رغبت تھی۔ جب مصنف یہ سمجھنے لگتا ہے کہ شاید اس کے بچے اپنے بچوں کو مصنف سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کا اظہار مصنف کچھ یوں کرتا ہے۔

"کبھی کبھار میں اس شک میں بھی مبتلا ہو جاتا ہوں کہ وہ میرے لیے نہیں، اپنے بچوں کے لیے فکر مند ہیں۔ انھیں محفوظ رکھنے کے لیے مجھ سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔"(۱۱)

جب مصنف کے بچے اسے قید تنہائی سے تنگ آنے کی بنا پر ایک گھنٹہ کے لیے چہل قدمی کی اجازت دیتے ہیں تو اسے مشروط کر دیتے ہیں کہ اگر سامنے سے کوئی شخص آ رہا ہو تو آپ نے فوراً سڑک کے دوسرے کنارے پر منتقل ہو جانا ہے اور اگر مذکورہ شخص بغیر ماسک کے ہو تو فوراً راستہ بدل لینا ہے۔ اس کے علاوہ کسی سے بھی سلام دعا نہیں کرنی خاص طور پر کسی بوڑھے شخص سے۔ اور اگر کوئی ایسا کرنے کی کوشش کرے تو بے رخی اختیار کرنی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہے۔ سیل فون ہمیشہ ہمراہ رکھنا ہے تا کہ ہنگامی صورتحال میں اطلاع دی جا سکے۔ اب یہ تمام ایسے معاملات ہیں جن سے ہر شخص کو روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ یعنی علیک سلیک، معانقہ، مصافحہ وغیرہ لیکن معاشرتی اور سماجی بندھنوں پر بھی اس وبا نے قدغن لگا دی۔

مصنف جب صبح کی سیر کے لئے نکلتے ہیں تو تنہائی اور سماجی دوری ان پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہے کہ وہ نفسیاتی طور پر حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور اپنی گلی اور محلے کے وہ گھر جن کو وہ انفرادی حیثیت سے جانتے تھے۔ وہ پہچان ختم ہو جاتی ہے اور ان کو تمام گھر اور ان میں بسنے والے افراد ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ اس کا اظہار وہ کچھ یوں کرتے ہیں کہ:

"وہ سب ایک جیسے لگتے ہیں کہ تنہائی اور قید تمام پہچانوں کو ملیامیٹ کر دیتی ہے۔"(۱۲)

مصنف سماجی بندھنوں اور بندشوں کے منفی اثرات کے ساتھ ساتھ مثبت اثرات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اپنے ذاتی تجربے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس تنہائی نے میرے اعصاب پر مثبت اثرات بھی مرتب کیے ہیں مثلاً پہلے میری سماعت انسانوں کے اژدھام اور شور وغل کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی لیکن اب اس تنہائی اور سکوت نے میری سماعت کو بہتر کر دیا ہے یہاں تک کہ مصنف اپنے نمائشی کان میں بھی سرسراہٹ محسوس کرتے ہیں۔ (مصنف کو ایک کان سے کم سنائی دیتا ہے۔ اس لئے وہ اسے نمائشی کان کہتے ہیں)۔ مصنف کا گھر لاہور میں ایسی جگہ واقع تھا کہ روزانہ درجنوں جہاز ان کے گھر کے اوپر سے گزرا کرتے تھے اور ان کے بے ہنگم شور اور گڑگڑاہٹ کے سبب بات کرنی بھی مشکل تھی اور قوت سماعت بھی متاثر تھی لیکن کرونا کی آمد کے باعث اب صورتحال پہلے جیسی نہیں رہی چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اب آرام ہو گیا ہے کیونکہ وہ سب جہاز ایئرپورٹ پر بے جان پڑے ہیں حنوط ہو چکے ہیں۔ اگر شہر خالی ہو گیا ہے۔۔۔ کرۂ ارض خالی ہو گیا ہے۔ تو آسمان بھی ان مہیب آوازوں سے خالی ہو گیا ہے۔۔۔ تو میں نے بھی بہتر سننا شروع کر دیا ہے۔۔۔ مجھے تو اس وبا سے افاقہ ہوا ہے۔۔۔"(۱۳)

اس کے بعد وہ ان پرندوں کا ذکر کرتے ہیں جو انسانی آبادی میں بے ہنگم اضافے کی وجہ سے اور اپنی جان کے تحفظ کی خاطر شہروں سے دور چلے گئے تھے۔ لیکن جب سے انسانوں اور ان کی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد ہوئی ہیں تو پرندے بھی اپنے اپنے مسکن میں لوٹ آئے ہیں۔ اس کو مصنف کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"پرندے واپس آ گئے تھے۔۔۔انسانی آبادیوں نے انہیں جیسے ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا تھا،ان کے شجر، سرکنڈے اور جنگل چھین کر انھیں بے گھر کر دیا تھا۔اب انسان دبک کر اپنے قید خانوں میں مقفل ہو چکا تھا اور یہ مہاجر اپنے آبائی وطن میں لوٹ آئے تھے۔"(۱۴)

اسی طرح جب مصنف صبح کی سیر کے لیے گھر سے نکلتے ہیں تو راستے میں ایک شہتوت کا درخت پڑتا ہے جو پکے اور رسیلے شہتوتوں سے لبریز ہے۔ لیکن اس کا سارا پھل کرونا وبا کی وجہ سے ضائع ہو رہا ہے اس لیے کہ ادھر سے اگر کوئی گزرے گا تو اسے کھائے گا۔ صرف مصنف ہی وہ شہتوت کھاتے ہیں، کہتے ہیں۔ کہ "وبا کا ایک فائدہ تو ہوا، میں روزانہ جی بھر کے شہتوت کھاتا ہوں۔"سماجی بائیکاٹ، تنہائی اور پابندی مصنف کے ذہن کو اس طرح متاثر کرتی ہے کہ انسان کا "سوشل اینیمل "والا نظریہ ہی باطل لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ معاشرے کی مختلف جہتوں کو بھی ہدف تنقید بناتے نظر آتے ہیں اور تلخ سماجی حقیقتوں کو بڑے ہلکے پھلکے اور طنزیہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ٹی وی پر چلنے والے مختلف سیاسی پروگراموں کے شرکاء جو اس وبا کے دوران سفید دستانے پہن کر پروگرام میں شرکت کرتے ہیں۔ ان کو وہ کٹھ پتلیوں سے تشبیہ دیتے ہیں، لکھتے ہیں۔

"خاص طور پر جو حضرات سیاسی تبصرہ نگار ہیں وہ ان سفید دستانوں میں صرف پتلیاں نہیں کٹھ پتلیاں دکھائی دیتے ہیں، اور وہ ہوتے ہیں۔۔۔ کسی کی ڈور حاملہ لفافوں سے بندھی ہوتی ہے اور کوئی کسی فارم ہاؤس کے دھاگوں میں الجھا ہوتا ہے۔"(۱۵)

تنہائی اور سماجی فاصلے کے اثرات مصنف کو ایسے متاثر کرتے ہیں کہ اسے رات کی تنہائی سے انتہائی خوف محسوس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مصنف لکھتا ہے۔

"اصلی یدھ تو رات کو پڑتا ہے۔ دن کے جتنے وسوسے ہوتے ہیں، وہ تمام ڈراوے اور ہول جو دن کی روشنی میں اپنی گپھاوں میں گھات لگائے منتظر ہوتے ہیں، دانت نکوستے، غراتے ہوئے باہر آ جاتے ہیں۔ نیند کی گولیاں پھانکنے کے باوجود نہ میں سوتا ہوں نہ میں جاگتا ہوں، نہ زندہ ہوتا ہوں نہ مرتا ہوں کہ نیند کو بھی تو عارضی موت کہا جاتا ہے۔"(۱۶)

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کروناوبا کے تناظر میں جب مختلف سماجی بندشیں اور قدغنیں لگادی گئیں اور لوگوں کو گھروں سے نکلنے سے روک دیا گیا۔ مصنف بھی اس کا شکار ہو کر ذہنی اذیت سے گزرا۔ چنانچہ مصنف یہاں اس امر کا اظہار کر رہا ہے کہ پابندیاں انسانی مزاج اور نفسیات پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں۔

> "ایک انسان اگر اپنی نارمل روٹین میں اپنے کمرے کی تنہائی میں یوں ہی سستی کا مارا پڑا رہے، کسی کتاب میں مگن رہے یا کسی کی یاد میں مبتلا رہے اور سارا دن باہر نہ نکلے، بیٹھا رہے تو اسے تنہائی کا احساس تک نہیں ہوتا لیکن اگر ایک پابندی عائد ہو جائے، اسے منع کر دیا جائے کہ آپ نے گھر سے باہر قدم نہیں رکھنا تو گہری ابتلا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر اسے ایک کال کوٹھڑی میں مقفل کر دیا گیا ہے اور یہ قید تنہائی اس کے اعصاب پر اثر انداز ہونے لگتی ہے اور وہ دماغی طور پر کسی حد تک بہک جاتا ہے۔"(۱۷)

خوشی اور غم کی کیفیت براہ راست انسانی مزاج اور نفسیات کی عکاس ہوتی ہے۔ انسان کی سماجی اور معاشرتی زندگی سے ان کا گہرا ربط ہوتا ہے۔ جب انسان معاشرتی حوالے سے متاثر ہوتا ہے تو اس کا اثر بحیثیت مجموعی اس کے دماغ پر پڑتا ہے۔ جس سے مثبت اور منفی رجحانات جنم لیتے ہیں۔ اس طرح جب وبا کا دورانیہ طوالت اختیار کر جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں سماج قدغنوں کا دائرہ کار بھی وسیع ہو جاتا ہے تو مصنف بے چین ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر ایک خوف کی کیفیت دو مختلف جہتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک طرف جہاں اسے اپنی موت کا خوف باقی نہیں رہتا وہیں اس بات کا خوف لاحق ہو جاتا ہے کہ اگر وہ کرونا میں مبتلا ہو گیا تو یہ اس کے بچوں کے لئے آزمائش بن جائے گی۔ مصنف اس کا اظہار کچھ یوں کرتا ہے۔

> "انسان دنیا کی ہر حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے لیکن موت کی حقیقت کو کبھی نہیں، کم از کم اپنی موت کی حقیقت کو کبھی نہیں۔۔شاید موت سے انکار ہی زندگی کی علامت ہے۔۔"(۱۸)

موت کے حوالے سے انسان کی نفسیاتی کیفیت بالکل جدا ہے۔ جب انسان موت اور زندگی کی سرحد پر کھڑا ہوتا ہے تو امّید وبیم کی ملی جلی کیفیت ہوتی ہے۔ کیا پتہ کون سا پلڑا کب جھک جائے۔ تو اس صورتحال کو مصنف کچھ یوں بیان کرتا ہے۔

"انتہائی نگہداشت کا وارڈ زندگی اور موت کے درمیان ایک پڑاؤ ہے۔۔ کبھی موت کھینچتی ہے تو زندگی اسے روکتی ہے اور کبھی زندگی حاوی ہونے لگتی ہے تو موت اپنا سیاہ بوجھ پلڑے میں ڈال کر اسے اپنی جانب جھکانے لگتی ہے۔ یہ ہوش اور بے ہوش کے درمیان ایک برزخ ہے۔۔ اور یہاں بھی قیام دائمی نہیں رہتا، ڈانواں ڈول ہوتا رہتا ہے۔ کبھی ہوش کے آنگن میں اور کبھی بے ہوشی کی تاریک کھائی میں۔۔ اس وارڈ میں پلڑے اگر برابر رہتے ہیں تو تادیر نہیں رہتے۔۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔۔ اور نہ ہی یہاں وقت کی گزران کا کوئی پیمانہ ہے۔۔ شب و روز کا، ماہ و سال کا کچھ حساب نہیں۔۔ ایک لمحہ بیتا ہے یا بے حساب سورج ابھرے اور ڈوب گئے، کچھ شمار نہیں۔۔ محسوس یہی ہوتا ہے کہ اس مردہ ٹھنڈک میں وقت تھم گیا ہے۔۔ تمام گھڑیوں کی سوئیاں رک گئی ہیں۔"(۱۹)

مستنصر حسین تارڑ اکیسویں صدی میں اردو ادب کے بہترین ناول نگار ہیں۔ جنہوں نے اپنی ناول نگاری کے ذریعے بیسویں صدی کے مسائل جیسے، نفسیاتی و سماجی مسائل، اخلاقی و مذہبی اقدار کی گراوٹ، سماجی ساخت کی شکست وریخت پر بہت کچھ لکھا، جس کے ذریعے ہم سماجی و انفرادی نفسیات کو بہتر انداز میں پرکھ سکتے ہیں۔

شہر خالی کوچہ خالی میں انہوں نے وبا کے دنوں کی ایسی کہانی بیان کی ہے جس کے ذریعے ہم سماجی سطح پر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو قریب سے جانچ سکتے ہیں۔ انہوں نے اس ناول کے ذریعے فرد اور سماج کی انفرادی و اجتماعی نفسیات کو کھول کر جزئیات میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے عظیم انسانی المیوں کے ذریعے سماجی و اخلاقی اقدار میں تبدیلی اور گراوٹ کو سماجی تسلسل کے اندر رہتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ہم اس ناول کے مطالعہ سے نہ صرف وبا کے دنوں کے ڈر اور خوف کو محسوس کر سکتے ہیں بلکہ اس کی وجہ سے پیدا ہونے والی سماجی، نفسیاتی و اخلاقی تبدیلیوں کا مشاہدہ بھی کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر، مستنصر حسین تارڑ، شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۸ء، ص۱۸

2. https://www.rekhta.org/articles/hum-kahan-qismat-aazmane-jayein-mubeen-mirza-articles?lang=ur

۳۔ غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر، مستنصر حسین تارڑ: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۸۱، ص۱۵۵

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

4. George H. Mead, Mind self and Society, University of Chicago Press, 12-May-2015

۵۔ مستنصر حسین تارڑ، شہر خالی، کوچہ خالی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۰ء۔

۶۔ ایضاً، ۲۱۲

۷۔ ایضاً، ص ۲۱۵

۸۔ ایضاً، ص ۲۶

۹۔ ایضاً، ص ۳۰

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۲

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۳

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۸

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۵۳

۱۶۔ ایضاً، ص ۶۵

۱۸۔ ایضاً، ص ۸۲

۱۹۔ ایضاً، ص ۹۱